© rasailojaraid.com

فکر و نظر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غیر سودی معیشت کے قیام میں اصل رکاوٹیں

> فاضل مضمون نگار نے "غیر سودی معیشت کا ایک اجمالی خاکہ" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے۔ یہ مضمون دراصل اسی کتاب کا ایک باب ہے، جس میں چند وہ باتیں ذکر کی گئی ہیں، جن کی وجہ سے "غیر سودی نظامِ معیشت" برپا کرنے میں دقتیں پیش آ رہی ہیں۔
>
> موصوف گو ماہرِ اقتصادیات ہیں نہ سرمایہ دار، تاہم وہ اسلامی جذبہ سے سرشار ہیں، اس لیے جتنا بن پڑتا ہے کیے جا رہے ہیں، اور جن ناسازگار حالات کے باوجود وہ کام جاری رکھ رہے ہیں، راقم الحروف کے نزدیک وہ ان کے نیک جذبات کی کرامت ہے۔ اگر تنہا ہیں تو گھبرائے نہیں۔ کمزور ہیں تو جھجکے نہیں۔ بس ایک لگن ہے جس کی بنا پر وہ تنہا ہیں تو ادارہ محسوس ہوتے ہیں۔ غریب ہیں تو صاحبِ توفیق نظر آتے ہیں۔
>
> ہم ادارتی کالموں میں موصوف کی متذکرہ بالا تصنیف کا ایک باب ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ (مدیر)

پچھلے ابواب میں ہم نے اسلامی احکام، موجودہ معاشی نظریات اور مختلف معیشت دانوں کے حوالے سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملک سے سود کا استیصال عملاً صرف ممکن ہی نہیں بلکہ اور فطری بھی ہے۔ کیونکہ اس کے عوض اسلامی نظامِ معیشت اس سے زیادہ خوبیوں کا حامل ہے۔ سودی نظام کسی ملک کی صنعتی یا زرعی ترقی میں ممد تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ملکی سطح پر خوشحالی کی ضمانت دینے سے قاصر ہے۔ جبکہ اسلامی نظامِ معیشت سب سے پہلے غریبوں کے مسائل حل کر کے ان میں قوتِ خرید پیدا کرنے، سرمایہ کو متحرک رکھنے کے وسائل اختیار کر کے ملک میں حقیقی سرمایہ، ترقی اور خوشحالی کی پائیدار فضا پیدا کرتا ہے۔ ایسی تبدیلی کے لیے ہم نے ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کیا ہے جو محض ایک گونہ رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی انقلابی تحریک کو پروان چڑھانے کے لیے داعی تحریک کو خود اپنی ذات سے عملی نمونہ بھی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ غریب نوازی کے زبانی دعوے تو پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست دان بھی کرتے آئے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی نے اپنے پاس سے بھی غریبوں کو کچھ دیا۔ زرعی اصلاحات کے نام پر غریبوں کی مدد کرنے والوں نے ایسے ایسے چکر چلا دیے کہ ہزار ہا ایکڑ کے مالکان زمین کے قبضہ سے ایک کنال زمین بھی کسی دوسرے تک نہ پہنچ سکی۔ سربراہان مملکت اگر غریبوں کو کچھ دیتے بھی ہیں تو انھیں کی جیبوں سے نکال کر، انھیں کا استحصال کرکے اس کے ایک قلیل حصہ سے غریبوں کی اشک شوئی بھی کر دیتے ہیں اور اس مادی دنیا کی تاریخ میں آپ کو یہی کچھ ملے گا۔ اس خیال کو علامہ اقبال نے انوری کے حوالہ سے درج ذیل الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا ۔۔۔ ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا!
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے ۔۔۔ کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زرّیں قبا؟
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی ۔۔۔ دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب و بے نوا
مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج ۔۔۔ کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطاں سب گدا

البتہ داعیانِ حق یا انبیائے کرام کی ہی ایک ایسی جماعت ہے جو معاشرہ کی فلاح و بہبود کی تمام تر مساعی کے لیے کچھ معاوضہ نہیں طلب کرتے۔ اور اس راہ میں مخالفین کی تکلیفوں اور دکھوں کو بڑے صبر و استقلال سے برداشت کرتے ہیں اور جس طریق زندگی کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں اس کا ایک نمونہ اپنی ذات سے پیش کرتے ہیں۔ اسلام میں غریبوں کی امداد اور ہمدردی کا بڑا بلند درجہ ہے۔ تو اس کے داعی حق نے نبوت سے پہلے ہی اپنا تمام تر سرمایۂ تجارت غریبوں کے قرضے اتارنے، انھیں روزگار مہیا کرنے اور ان سے ہمدردی و دلجوئی میں صرف کر دیا تھا۔ پھر یہ داعیانِ برحق اپنے آپ کو معاشرہ کا کوئی برتر فرد تصور نہیں کرتے بلکہ اپنا معیارِ زندگی ایک عام آدمی کی سطح سے بلند کرنا پسند نہیں فرماتے۔ حضورِ اکرمؐ نے جہاں مسلمانوں کو سادگی اور کفایت شعاری کا سبق دیا وہاں خود بھی سادگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ مدنی دور میں جب فتوحات سے بکثرت مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آگیا اور معاشرہ خوشحال ہو گیا تو یہ صورتِ حال دیکھ کر ازواجِ مطہرات نے حضورِ اکرمؐ سے مطالبہ پیش کر دیا کہ انھیں بھی نان و نفقہ پہلے سے زیادہ دیا جائے تاکہ وہ بھی دوسرے عوام کی طرح کچھ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔ ان کے اس مطالبہ سے آپ کو اتنی تکلیف پہنچی کہ آپ نے گھر بار چھوڑ کر مسجد میں جا قیام فرمایا اور بیویوں سے قطع تعلق کر لیا۔ اسی طرح پورا ایک ماہ گزر گیا تو خدائی احکامات نازل ہوئے کہ "آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمھیں دنیا کا تعیش ہی مطلوب ہے تو کوئی اور جگہ دیکھو۔ تمھارا مطالبہ پورا کیا جائے گا لیکن اس کے بعد میرے ہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں"۔ اس تنبیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سامنے ازواج مطہرات نے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیوی ساز و سامان اور تعیش کو اپنی ذات کے لیے ناپسند فرماتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انہی ایام میں مَیں مسجد میں حضور اکرم کے حجرۂ مبارک میں آیا تو دیکھا کہ آپ کھجور کے پتوں کی ایک چٹائی پر ننگے بدن لیٹے ہوئے ہیں۔ میرے آنے پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی پشت پر چٹائی کے پتوں کے گہرے نشان پڑ گئے ہیں۔ ایک طرف پانی کا ایک مشکیزہ پڑا ہے اور دوسری طرف ستوؤں کی ایک پوٹلی رکھی ہوئی ہے۔ بس یہی کچھ سرمایۂ حیات موجود تھا۔ اللہ اللہ! اسلامی سربراہِ مملکت کی یہ شانِ بے نیازی — یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضورؐ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کی کہ قیصر و کسریٰ تو عیش کریں اور آپ کا یہ حال رہے۔ اجازت ہو تو ہم کچھ سامان مہیا کریں۔" آپ نے فرمایا "عمرؓ! کیا تم اس پر خوش نہیں کہ یہ لوگ دنیا لے جائیں اور ہمیں آخرت ملے۔"

سادہ زندگی گزارنے میں خلفائے راشدین بھی اسی طریقہ پر کاربند رہے۔ وہ بیت المال سے ایک عام آدمی کے اخراجات کے مطابق تنخواہ وصول کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خلافت سے پہلے یہ حال تھا کہ روزانہ نفیس سے نفیس تر پوشاک زیب تن فرماتے اور بہتر سے بہتر گھوڑا سواری کو موجود ہوتا۔ مگر جب خلافت کی ذمہ داری سر پر آ پڑی تو تمام تر آرائشوں اور آسائشوں کو خیرباد کہہ دیا۔ اپنا تمام تر اثاثہ بیت المال میں جمع کرا دیا اور اپنی بیوی سے فرمایا "اگر تم بھی اپنے زیورات اور قیمتی کپڑے بیت المال میں جمع کرا دو تو خیر ورنہ چھٹی کرو۔" اس اطاعت شعار بیوی نے بھی اپنا سب کچھ قیمتی اثاثہ بیت المال میں جمع کرا دیا اور خود غریبانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔

ایسے واقعات سے تاریخ کے اوراق اٹے پڑے ہیں یہ چند ایک مثالیں نمونۃً اس غرض کے لیے پیش کی گئی ہیں کہ کسی تحریک کے داعی میں جس قوت سے یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے اتنا ہی وہ خود اس پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کے سامنے وہ اس کی حقانیت کی شہادت پیش کرتا ہے اور اسی قدر وہ تحریک پروان چڑھتی ہے۔ کوئی تحریک محض تقریریں کرنے، پراپیگنڈہ کرنے یا پمفلٹ وغیرہ چھاپ کر تقسیم کرنے سے کامیاب نہیں ہو سکتی جبکہ اس کے ساتھ ساتھ عملی مظاہرہ نہ ہو۔ جو بات صرف زبان سے نکلتی ہے وہ کانوں سے آگے نہیں جاتی اور جو بات دل سے کہی جاتی ہے وہی بات دل میں اترتی ہے۔ لہٰذا ہمیں سنجیدگی سے دیکھنا ہو گا کہ جو لوگ اسلامی نظام بپا کرنے میں پیش پیش ہیں۔ آیا ان کی عملی زندگی بھی ان کے نظریات سے مطابقت رکھتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ عبوری حکومت نے اسلامی نظام کی ترویج کا اعلان کر کے چند در چند عملی اقدامات کر کے کافی حد تک ذمہ داری عوام کے سر پر ڈال دی ہے۔ عام سیاست دانوں کی بات تو چھوڑیے ان پیشہ ور لوگوں کو تو عوام کالانعام کو اُلو بنانے کی مہارت ہوتی ہی ہے۔ ان کا اپنا اصول کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی دکان پر جو سودا زیادہ بکے وہی کچھ وہ تیار کر لیتے ہیں۔ ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام، جو عملاً اس تحریک میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان کی گھریلو زندگی پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ ابھی اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ان مقدس ہستیوں کے دم قدم سے آج ہم اسلام کا نام لے رہے ہیں۔ لیکن صدیوں سے ایک خاموش تحریک اپنی نشاۃِ ثانیہ کے لیے اس سے بہت زیادہ قربانی چاہتی ہے۔ ان علماء و مشائخ میں سے کافی تعداد ایسے حضرات کی بھی ہے جن کے گھربار عیش و عشرت کا گہوارہ بنے ہوئے ہیں۔ اپنی سواری کے لیے اگر بہترین کار موجود ہے تو بچوں کے کالج جانے کے لیے الگ الگ سکوٹر ہیں۔ رہی دینی تعلیم؟ تو گھریلو ماحول دینی ہونے کی وجہ سے ان کے کانوں نے جو کچھ شعوری یا غیر شعوری طور پر سن لیا وہی کچھ کافی سمجھا گیا۔ البتہ بیشتر توجہ کالج کی اعلیٰ تعلیم پر ہے۔ فریج، ٹیلیویژن، صوفے اور قالین کسی چیز کی کمی آپ محسوس نہیں کریں۔ گھر کی فضا دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فیشن اپنی تمام جدیدیت کے ساتھ یہاں آبسا ہے۔ رشتوں، ناتوں میں دینداری کی بجائے دنیوی جاہ و حشم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ خورد و نوش کا سامان ملاحظہ فرمائیے تو کسی متمول گھرانہ سے کم تر نہ ہوگا۔ پھر ان میں سے اکثر حضرات کی آمدنی کے وسائل بھی محدود ہی نظر آتے ہیں۔ البتہ نذرانوں کی لامحدود آمدنی ہی ایسے اخراجات کی متحمل ہو سکتی ہے۔ ان نذرانوں کے متعلق نہ تو یہ تحقیق ضروری سمجھی جاتی ہے کہ یہ کس طرح کی کمائی کا حصہ ہیں اور نہ ہی ان کا کچھ حصہ دوسروں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ ان لوگوں کی بات کیا اثر رکھے گی اور وہ اثر کتنی دیر تک قائم رہ سکتا ہے؟ جب یہ حضرات تقریر کر رہے ہوتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے ہاں کئی کئی دن فاقہ رہتا تھا۔ دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی اور فقط کھجور اور پانی پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح یوں سادگی سے سرانجام دیا۔ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ اب سامعین میں سے جو لوگ ان کے کردار اور گھریلو ماحول سے واقف ہوتے ہیں وہ ان کے متعلق کیا خیال کرتے ہوں گے اور وہ کیا اثر قبول کریں گے۔ یہ کوئی منظر کشی کی بات نہیں واقعاتی دنیا میں ایسے اعتراضات اٹھ چکے ہیں۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۶۱/۲-۳)

"اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے ہاں یہ بڑی بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔"

لہٰذا جب تک داعیانِ تحریک اپنی ذات اور اپنے گھر سے اس کا عملی نفاذ کا نمونہ شروع نہ کریں گے تحریک آگے نہ بڑھے گی۔ خواہ نظریاتی طور پر وہ کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں۔ ایک دیہاتی غریب کی جب تک عملاً امداد نہ کی جائے۔ اسلامی نظامِ معیشت کی برکات وثمرات کا پرچار اس پر کیا اثر کرے گا۔ تحریک کی کامیابی یا ناکامی کی ذمہ داری ہمارے سر پر نہیں۔ لیکن انفاق فی سبیل اللہ اور ابتدائی شرائط کی ادائیگی کی ذمہ داری ضرور ہے اور اس کا بہرحال فائدہ ہی فائدہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ شرط یہ ہے کہ یہ کام سیاسی اغراض کے بجائے محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے کیا جانا چاہیے۔ اسلامی نظام کی ترویج میں تاخیر کا یہ ایک بڑا سبب ہے۔

ان داعیانِ تحریک کے بعد دوسرے درجہ پر تاجر اور صنعت کار دوستوں کا طبقہ ہے۔ جو دیکھنے میں صوفی، باریش نمازی بھی ہیں اور حاجی بھی، اور تحریک نظامِ مصطفےٰؐ کے سرگرم کارکن اور داعی بھی ہیں۔ یہ لوگ اپنے کاروبار کو چلانے کے لیے، کاروباری مجبوریوں کے نام پر، کچھ تو حیات بخش خون بنکوں سے حاصل کرتے ہیں اور اس حیات بخش خون کا کثیر حصہ دوسرے "ذرائع" سے خود ہی حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک صنعتکار اگر کسی سال ایک کروڑ روپے کی مالیت کی ایک مل لگاتا ہے تو دوسرے ہی سال اس جیسی ایک اور مل کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک تاجر کو اپنا کاروبار شروع کیے چھ ماہ نہیں گزرنے پاتے کہ وہ ایک عالی شان مکان کی تعمیر شروع کر دیتا ہے۔ عام آدمی تو زندگی بھر ایک سادہ سے مکان کی تعمیر کی آرزو میں زندگی گزار دیتا ہے اور بسا اوقات اسے یہ توفیق نصیب نہیں ہوتی، وہ بےچارا کرایہ کے کمرہ میں ہی بسر اوقات کر کے راہی ملکِ عدم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ طبقہ دولت سمیٹنے کے فنون سے کچھ ایسا آگاہ ہوتا ہے کہ مایا دیوی خود آکر ان کے قدم چومتی ہے یہ لوگ غالباً اس خیال سے تحریک کے مددگار بنے تھے —— اور خدا کرے یہ خیال غلط ہو —— کہ اسلامی نظام چونکہ انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرتا ہے لہٰذا ان کی املاک کو تحفظ حاصل ہو جائے گا اور کارخانے وغیرہ قومی تحویل میں نہ لیے جا سکیں گے۔ مگر یہ لوگ در اصل ایسا اسلام چاہتے ہیں جو ان کے کاروباری معاملات میں کوئی مداخلت پیدا نہ کرے۔ نہ ان کے "حیات بخش خون" کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے کسی ذریعہ پر اس کی زد پڑے ۔ ماپ تول کی خرابی ۔ ملاوٹ ، ٹیکس کی چوری ، ناجائز منافع خوری، چور بازاری اور سودی لین دین وغیرہ سب کچھ ہی برقرار رہے ۔ بھلا ایسے بے ضرر اسلامی نظام پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے ۔ البتہ جب انھیں ایسے "خدشات" بھی دکھائی دینے لگتے ہیں تو یہ لوگ تذبذب میں پڑ جاتے ہیں ۔ ان لوگوں کے زر پرستانہ ذہن کی پاکیزہ اسلامی تعلیمات کے ذریعے تطہیر کی بھی شدید ضرورت ہے ۔

یہ تھے اپنوں سے گلے شکوے پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو فی الواقعہ اسلامی نظام میں رکاوٹ کا سبب بنے ہوئے ہیں ۔ کہنے کو تو یہ بھی مسلمان ہیں مگر کھل کر سامنے بھی نہیں آتے ۔ ان کا ذہن ملحدانہ اور یکسر غیر اسلامی اقدار کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ دورِ غلامی میں غیر ملکی فرنگیوں نے اور اسی طرح پاکستان کے مختلف ادوار میں مخالفِ اسلام اقدار نے اپنے مشن کے تحت سیکولرازم کا زہریلا بیج بو دیا ۔ پھر اس کی مغربی فلسفے پر مبنی علوم کے ذریعے ، مستشرقین کی تحقیقاتوں کے ذریعے ، لادینی ثقافتوں اور کئی دوسرے ذرائع سے آبیاری کی جاتی رہی ۔ تا آنکہ مسلمان خود بھی اسلام کو ایک فرسودہ نظام اور رجعت پسندانہ اقدام قرار دینے لگا ۔ ان میں سر فہرست "ترقی پسندوں" کا وہ طبقہ ہے جو انتظامیہ کی کلیدی اسامیوں پر براجمان ہے ۔ یہ سول سروس کے کارپردازان عموماً سیکولرازم کے محافظ اور پناہ گاہ بن چکے ہیں اور بیرونی تہذیبوں اور ثقافتوں کے ایجنٹ ہونے کی وجہ سے ان سے رابطہ بھی قائم رکھتے ہیں اور ان کے اپنے مخصوص نظریات و مقاصد ہوتے ہیں ۔ اپنی خوشامدانہ پالیسی کی بنا پر ہر نئی آنے والی حکومت کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہوتا ہے لیکن جب کوئی بات اپنے نظریات و مقاصد کے خلاف دیکھتے ہیں تو نہایت عاجزی سے ایسے اعتراضات اور الجھنیں پیدا کر دیتے ہیں کہ خود حکومت کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑتے ہیں ۔ یا اپنی روایتی نااہلی اور بددیانتی کے سبب سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے معرضِ التوا میں ڈالے رکھتے ہیں اور اگر کوئی حکومت اپنے عزائم میں مضبوط ہو تو یہ زیرِ زمین ایسا ایسا چکر چلا جاتے ہیں کہ خود اس حکومت ہی کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے ہیں لہٰذا ان لوگوں کے عزائم سے محتاط رہنا ضروری ہے ۔

ایک دوسرا طبقہ ماہرینِ معاشیات کا ہے ۔ ظاہر ہے کہ کوئی اقتصادی سکیم ان ماہرین کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتی ۔ انھیں سیکولر نظامِ تعلیم یا خالص مادی نظامِ معیشت نے جو مواد دیا ہوتا ہے اسی کے تحت ہی یہ غور فرما سکتے ہیں ۔ علاوہ ازیں سیکولر انتظامیہ کا کل پرزہ بن کر رہنے کی وجہ سے ان کی ذہنی ساخت کچھ ایسی جامد بن جاتی ہے کہ ان میں نئے نہج پر نئے اصولوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق کام کرنے کے لیے تخلیقی ذہن موجود ہی نہیں ہوتا لہٰذا یہ لوگ کسی بھی نئی اسکیم کا جائزہ لینے، اس پر غور و خوض کرنے، سمینار قائم کرنے اور بحث تمحیص کیے بغیر اس کو ناقابلِ عمل قرار دے دیتے ہیں۔ موجودہ نظام سود کو ختم کرنے کے نقصانات اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ملکی بدحالی کا تصور کچھ اس طرح ذہن نشین کراتے ہیں کہ جہاں یہ طلسم ٹوٹا، بس سب کچھ تہس نہس ہو کر رہ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک ماہرِ فن پوری تحقیق کرنے کے بعد اپنے مقامِ بلند سے ایسا فتویٰ صادر کر دے تو ہم عامیوں کو سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑے گا۔

معاشی قوانین کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ مشروط ہوتے ہیں یا بالفاظِ دیگر کچھ مفروضات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کے بیان کرنے سے پیشتر یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ "اگر دوسرے حالات برقرار رہیں تو" اس قانون مثلاً قانون رسد یا طلب کا رجحان ایسا ہو گا۔ اور دوسرے حالات اکثر برقرار نہیں رہتے۔ بسا اوقات ایسا ہی ہوا ہے۔ مثلاً یہ آبادی کا مسئلہ ہی لے لیجیے۔ اس مسئلہ کو مشہور برطانوی معیشت دان مالتھس نے اپنی کتاب "آبادی کے اصول" پر مقالہ ۱۷۹۸ء میں پیش کیا تھا کہ آبادی جیومیٹری کی تدریجی رفتار سے یعنی ۱، ۲، ۴، ۸، ۱۶، ۳۲ ...... کی رفتار سے بڑھ رہی ہے اور وسائل پیداوار حساب کی تدریجی رفتار سے یعنی ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ ...... کے حساب سے بڑھتے ہیں۔ لہٰذا اگر آبادی کی پیدائش پر کنٹرول نہ کیا گیا تو انسانیت کا مستقبل نہایت بھیانک ہے۔" لیکن تاریخ نے اس پیشین گوئی کو غلط ثابت کر دیا اور آج پونے دو صدیاں گزرنے کے بعد برطانیہ اس دور سے آج کہیں زیادہ خوشحال ہے۔ لہٰذا مالتھس کے بعد میں آنے والے معیشت دانوں نے "جھوٹا پیشین گو" کے نام سے اسے یاد کیا اور اس کے اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے والے یہ "دوسرے حالات" ہی تھے۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی داغ بیل مالتھس کی زندگی ہی میں پڑ چکی تھی جس کا خود اس نے ذکر بھی کیا ہے، یہ صنعتی ترقی کتنی ہو گی اور کہاں تک پہنچے گی اس کا اندازہ کرنے سے قاصر رہا۔

خاندانی منصوبہ بندی پاکستان میں بھی رائج ہے کہ اس محکمہ کی تمام تر سرگرمیاں کچھ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ کیونکہ "دوسرے حالات" نہ کسی معیشت دان کے اختیار میں ہیں اور نہ معاشرہ کے اختیار میں وہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ آج سے بیس پچیس سال پہلے چار بچوں والا کنبہ افراد کی لحاظ سے متوسط متصور ہوتا تھا۔ ایسے کنبہ کو نہ چھوٹا کہہ سکتے تھے اور نہ بڑا لیکن اس محکمہ کی سرگرمیوں کے بعد قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ موجودہ دور میں تقریباً ۸ بچوں والا کنبہ متوسط سمجھا جاتا ہے۔ شرح پیدائش میں یکدم ایسی تیز رفتاری کو کون سے معاشی قانون کے تحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لایا جاسکتا ہے؟ کہیں قدرت ہمارا منہ تو نہیں چڑا رہی۔

دراصل موجودہ قوانینِ معیشت اور اسلامی نظامِ معیشت میں جا بجا نظریاتی تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ آبادی کا مسئلہ بھی انھیں میں سے ایک ہے۔ موجودہ علمِ معیشت اس بات پر زور دیتا ہے کہ:

انسانوں کی تعداد کو ذرائع پیداوار کے مطابق رکھا جائے۔ جب کہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ ذرائع کو انسانی ضرورتوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ اہم چیز انسان ہے نہ کہ ذرائع۔ ذرائع کے متعلق واضح ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

یعنی پیداوار کے تمام تر وسائل تو اللہ کے اختیار میں ہیں۔ جن میں وہ ہر وقت اپنے اندازے کے مطابق کمی بیشی کر سکتا اور کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے ذرائع کے مقابلہ میں انسان کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ فرمایا:

لاتقتلوا اولادکم خشية املاق نحن نرزقهم واياكم ان قتلهم كان خطأً كبيرا (۱۷/۳۱)

"اپنی اولاد کو مفلس ہو جانے کے خوف سے قتل نہ کرو، انھیں رزق ہم دیں گے اور تمھیں بھی ہم ہی دیتے ہیں۔ بلاشبہ ان (نوزائیدہ بچوں) کا قتل جرمِ عظیم ہے۔"

یہ درست ہے کہ پاکستان میں آبادی کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ لیکن اس کا حل یہ نہیں ہے کہ پیدائش پر بندش عائد کی جائے بلکہ اس کا صحیح حل یہ ہے کہ وسائلِ رزق میں وسعت پیدا کی جائے۔ پاکستان اللہ کے فضل سے لامحدود ذرائع سے مالا مال ہے۔ آئے دن تیل، تانبا اور دوسری معدنیات کے سراغ کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستان میں محنت — یعنی جفاکشی اور مہارت — جس کا سب سے بڑا عامل ہے نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ لیکن اگر ہم سیاسی الجھنوں اور اقتدار کے پیچھے پڑ کر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دے سکیں تو اس میں قدرت کا کیا قصور؟

اسی طرح ایک دوسرا اقتصادی مسئلہ خوراک بھی دیکھ لیجیے۔ ایوبی دور سے ہم یہ سنتے آرہے ہیں کہ بس اس سال سے پاکستان خوراک کے مسئلہ میں خود کفیل ہو جائے گا۔ ماہرین معاشیات کی میٹنگیں بھی ہوتی ہیں۔ حکومت معیشت کرتی ہے۔ تمام تر وسائل بھی مہیا کیے جاتے ہیں لیکن آج تک یہ خود کفالت میسر نہیں ہو سکی۔ آج بھی غلہ باہر سے آتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ "یہ دوسرے حالات"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً زیادہ بارش ہونا، سیلاب آنا، بے وقت بارش ہونا، زمین کا سیم تھور بنتے جانا، زمین میں کٹاؤ واقع ہونا، فصل کو کیڑا لگ جانا۔ یہ سب حالات نہ ماہرین کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور نہ حکومت کے اختیار میں۔ اور جس مقتدر ہستی کے ہاتھ میں ان "دوسرے حالات" کی باگ ڈور ہے وہ نا ہموار معیشت یعنی آبادی زیادہ اور وسائل کم ہونا۔ وسائل سے پوری طرح استفادہ نہ کر سکنے کی وجہ سے قومی آمدنی یا فی کس آمدنی کا کم ہونا ـــــ کے اسباب اور علاج کچھ اور ہی تشخیص فرماتا ہے۔ ارشادِ خداوندیؐ ہے۔

واما اذا ما ابتلٰه فقدر علیه رزقهٗ فیقول ربی اھانن ٭ کلا بل لا تکرمون الیتیم ٭ ولا تحاضون علی طعام المسکین ٭ و تاکلون التراث اکلاً لما ٭ و تحبون المال حبا جما ٭ (۸۹/۱۵ تا ۱۹)

"اور جب اللہ تعالیٰ انسان کو (دوسری) آزماتا ہے اور اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو انسان کہنے لگتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری ناقدری کی۔ بات یوں نہیں بلکہ تم لوگ نہ تو یتیم کی خاطر کرتے ہو، نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی طرف توجہ دیتے دلاتے ہو۔ پھر وراثت کا سارا مال خود ہی ہڑپ کر جاتے ہو اور دولت کی محبت تمہیں بہت عزیز ہے۔

ان آیات میں کسی فرد یا قوم پر وسائل خوراک کی تنگی کے اسباب یہ بیان فرمائے گئے ہیں کہ مال و دولت سے ایسی بے پناہ محبت کہ انسان دوسروں کے حق کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے خود سمیٹتا جائے اور بخل کی انتہا یہ ہے کہ معاشرہ کے یتیم دبے لوگوں کی بھوک اور افلاس کا خیال تک بھی نہیں کرتے یہ نقائص اگر دور کر دیے جائیں تو دوسرے حالات خدا تعالیٰ خود سازگار بنا دے گا۔

موجودہ ماہرین کی نظر صرف موجودہ وسائل اور حالات پر ہوتی ہے۔ ان کے مطابق وہ ایک نتیجہ پیش کرتے ہیں لیکن پیش آمدہ حالات کی تبدیلی ـــــ جس سے نتائج کچھ سے کچھ ہو سکتے ہیں، اور جس کا انھیں اعتراف بھی ہے۔ تو پھر آخر کس برتے پر ان قوانین پر اس قدر تکیہ کیا جائے کہ جہاں کہیں ان کے نظریات اور الہامی نظریات میں ٹکراؤ ہو تو ہم دونوں کے نفع وضرر کا توازن و تقابل کرنے لگ جائیں۔

تاہم اگر ان ماہرین سے کام لینا ہی ہے تو اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ان پر

۱؎ یہ آیات مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں جبکہ ابھی احکام میراث نازل نہیں ہوئے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح کر دیا جائے کہ غیر سودی نظام رائج کرنا ہے اگر وہ اس کے لیے کوئی عملی خاکہ پیش کر سکتے ہیں تو بہتر ورنہ انھیں چھٹی کرنا ہو گی۔ غالب گمان یہی ہے کہ اس طریقہ سے وہ کچھ اپنے ذہن پر بار ڈال کر کوئی صورت پیدا کر لیں گے اور اگر نہ کر سکیں تو پھر ان ٹیکنیکل ماہرین سے اُن ٹیکنیکل ہینڈیڈ بدرجہا بہتر ثابت ہوں گے جو اسلامی نظریۂ حیات پر مضبوط عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو دل و جان سے اس کو تسلیم کرتے اور اس کی راہ میں پیش آمدہ رکاوٹوں کا ہر طور سے مقابلہ کرنے کو تیار رہیں اور ایسے لوگوں کا آج بھی ہمارے ہاں فقدان نہیں ہے جو عملاً اس نظام کو رائج کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ابتدا میں اگر کچھ غلطی بھی کریں گے تو بہت جلد سنبھل جائیں گے۔ آخر ان ماہرین کے تیار کردہ کتنے منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں اس لیے ان خطرات کو کچھ وقعت نہیں دینی چاہیے بلکہ

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے   دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

کے مصداق کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔ ورنہ اسلام کے دعویٰ سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔

(عبد الرحمٰن کیلانی)

"فاران" کا "ماہر القادری" نمبر

کراچی (پ۔ر) برصغیر پاک و ہند کے مشہور ادیب و شاعر یگانۂ روزگار محقق و نقاد اور جریدہ "فاران" کے بانی و مدیر مولانا ماہر القادری مرحوم کی یاد میں ادارہ "فاران" نے ایک ضخیم خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں جناب ماہر القادری کی شخصیت و شاعری علمی قومی خدمات اور بامقصد صحیفہ نگاری جیسی نمایاں خصوصیات پر بلند پایہ مضامین شامل ہوں گے ملک و بیرون ملک کے نامور ادباء و شعراء کا قلمی تعاون متوقع ہے۔ مولانا کے برادر عزیز ماہنامہ "فاران" کے موجودہ مدیر مسرور حسین نے حلقۂ احباب ماہر، ان کے مداح اور ہم عصر اہل قلم حضرات سے درخواست کی ہے کہ اپنے نثری و منظوم رشحاتِ قلم "تاثرات اور یادداشتیں" اس خصوصی نمبر کے لئے جلد ارسال فرماویں۔ حتی المقدور کوشش کی جائے گی کہ معیاری نگارشات کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی ماہر القادری نمبر کے شایانِ شان ہو۔ تاکہ اک حق پرست انسان ہر دلعزیز شاعر اور باکمال نقاد کی حیثیت سے ماہر صاحب کی گراں قدر خدمات کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا جا سکے ترسیلِ مضامین اور معلومات کے لئے مندرجہ بالا پتے سے رابطہ قائم کریں۔

ماہنامہ "فاران" ای ۲/۱۷ ناظم آباد نمبر ۴ کراچی (پاکستان)

© rasailojaraid.com